سرائیکی صوفیانہ شاعری میں امن و محبت کا پیغام

Message of Peace and Love in Siraiki Mystic Poetry

*ڈاکٹر محمد ممتاز خان

Abstract

The tradition of humanism and human rectification is to be seen broadly in every society, sect, tribe group, cities and countries. The Sub-continent is the land of multi-languages. *Siraikī* is worth-mentioning out of all developing languages. Among the natives of this area, there has been a tradition of poetry for thousands of years. The major part of this poetry consists of mystic poetry. The main purpose of this poetry is to be teach respect of humanity. And this human respect is this basic principle that leads to an atmosphere of peace, love and respect in developing and developed societies.

Siraikī poetry has a long tradition of various genre of literature out of which *Kāfī* attained special popularity. In sixth century, A.D Ḥaḍrat Shah Shams Sabazwārī wrote *Gin'ān* in *Siraikī* poetry, are taken to be first witness in respect of *Siraikī Kāfī*. Among the old poets of *Siraikī* poetry *Kāfī* poetry Ḥaḍrat Sachal Sarmast, Ḥamal Faqīr, Baidil Faqīr, and Munshī Ghulām Ḥussain Gaman including Makhdūm Shams Uddin are worth mentioning names. The other orientation of *Siraikī Kāfī* is to be seen in Khāwaja Ghulām Farīd's *Kāfīs*. In his era *Kāfī* comes to front as a great poetic genre. After Khāwaja Ghulām Farīd's *Siraiki Kāfī* took up a renewed way. Coming out of mysticism and subjectivity *Siraikī Kāfī* headed to objectivity outward love; and new directions of narration and direction. Travelling through Khurrum Bahāwalpurī, Muḥammad Bukhsh Nauroz and the poet of modern age Riff'at 'Abbas the subject of genre has been religious tolerance, humanism, love and peace. In this research article a comprehensive discussion will be presented on the message of peace and love in mystical *Siraikī* Poetry.

Keywords: Rectification, Ḥaḍrat Shah Shams Sabazwārī, *Gin'ān*, Ḥamal Faqīr, Baidil Faqīr.

---

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ سرائیکی، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور۔

تاریخ گواہ ہے کہ خیر کی تخلیق کے انتہائی جلد بعد فساد اور شر نے ہی ذات شرور سے افزائش پانا شروع کر دیا۔ ورودِ آدم سے چشمک نے ہی ابلیس لعین میں حکمِ سجدہ ریزی سے بغاوت کی جرأت پیدا کی۔ ذلت و مردودیت کی وعید نے عزازیل میں مایوسی اور قنوطیت کی وہ آگ بھڑکائی جو صورِ اسرافیل کی پُر ہیبت صدائے بلند کے ساتھ ہی مدہم و معدوم ہو گئی۔ چونکہ خدائے عزوجل کے پاس کُن کا اختیار کل بھی ہے اور رحمت و شفقت کے خزائن بے عمیق بھی۔ اس کی بنیاد پر اللہ رب عظیم نے کھلا چیلنج رکھ دیا کہ میں شر کے مقابلے میں خیر کو عظمت و سطوت اور رفعت کے علاوہ اپنی معیت و مشیت بھی عطا کروں گا۔ خالق و قادر مطلق نے آدم و حوا کو جنت نوازی۔ ابلیس نے انھیں بہکایا تو رحیم عظیم نے انھیں معافی سے فیض یاب کیا۔ کرۂ ارض پر خیر کی نسل پروان چڑھنے لگی تو قابیل کو ابلیس لعین نے عمل قتل کے فعل بد کا مرتکب کرادیا۔ اگرچہ یہاں بھی قدرت کاملہ سے بھائیوں میں مصالحت کے لیے رعدی فیصلہ موصول ہوا، مگر انسان وفا کا پیکر بنا تو خطا بھی اُس کی سرشت میں مبعوث کی گئی تھی۔ تاہم انسانیت میں جب بھی حیوانیت در آئی تو کوئی پیغمبر، کوئی صالح، کوئی ابدال، کوئی قطب، کوئی ولی، فقیر، کوئی شاعر، فکرِ شریر کے مقابل فکرِ فقیر اور ذوق خیر کا پیش رو بن کر آتا رہا۔

امن و آشتی کی ترویج کے لیے کتب سماوی، صحائف کشف وجدانیت اور القا کو معتبر تسلیم کیا جاتا ہے، جس کے شارح انبیا، اولیا، فقرا، فقہا، علما اور شعرا رہے ہیں۔ قرآن و حدیث کے لیے تفاسیر کی لاکھوں کتب اہل نقد و بصر کی وساطت سے منصبِ شہود پر عیاں ہو چکی ہیں۔ اولیا، فقرا اور فقیہانِ عصر اپنی فکری بصارتوں سے لاتعداد قندیلیں روشن کر چکے ہیں، جن پر شب و روز مباحثے، مذاکرے اور مباہلے میڈیا کے پلیٹ فارم سے سبیلِ فیضِ عام کی سعادت سمیٹ رہے ہیں۔ تاہم شعری ادب میں بھی تسلی بخش کام ہو چلا ہے، مگر چند ایسی زبانوں کی شاعری توجہ طلبی اور عمیق تجزیاتی مطالعے کی متقاضی ہے، جن کی روح و اساس کو ابھی تک سمجھنے کا مکمل حق ادا نہیں ہو سکا۔ پاکستانی زبانوں میں سرائیکی ایک ایسی زبان ہے جس کی کم و بیش تمام اصناف میں انسان دوستی اور فروغِ امن کے بے شمار شہ پارے ایسے تخلیق ہوئے جن کو پڑھنا، سمجھنا، جانچنا اور پرکھنا ابھی باقی ہے۔ معروف سرائیکی دانشور حفیظ خان کے مطابق:

> شاعری شاید ہمیشہ زندہ رہنے کی تمنا سے کونپلیں نکالتی ہے۔ یہی وہ انسانی ہنر ہے جس کے سامنے فنا و فساد کو بارہا پسپا ہوتے دیکھا ہے۔ اسی لیے تاریخ اور فلسفے سمیت دنیا کے تمام علوم شاعری میں منقلب ہو جانے کی خواہش سے دامن نہیں بچا سکے۔ دنیا کی بیشتر اقوام کی قدیم ترین جمالیات آج اپنی شاعری کے آئینے سے ہی منعکس ہے۔ ہومر کا یونان ہو یا ورجل کا روم، ویاس جی کا بھارت ہو یا فردوسی کا ایران، شاعری کے حوالے سے ہی جدید دنیا میں معتبر ہیں۔ دنیا نے تاریخ سے زیادہ شاعری پر اعتبار کیا ہے۔ اسی لیے شاعر کے جنم میں قومیں صدیوں تک انتظار کرتی ہیں۔ وادی سندھ میں شاہ لطیف، سچل سرمست اور خواجہ فرید کا جنم صرف تاریخی واقعہ ہی نہیں، بلکہ ایک ایسا تاریخی عمل بھی ہے جس کے سہارے قومیں مزید صدیوں کا سفر

طے کر جاتی ہیں[1]۔

قرآن سے دیوان تک کے فکر رحمانی اور ذوق انسانی کا مطمع و مقصود فلاح اور امن و آشتی کا پرچار ہے۔ تفہیم قرآن کے لیے انبیا مبعوث فرمائے گئے اور تفہیمِ وجدان و عرفان کے لیے صالحین، صادقین اور نکتہ آفرین شخصیات تاریخ کے صفحات کی زینت بنیں۔ جہاں ضرورت پڑی شرف و ہیبت سے سرشار شعرا نے اس کار عظیم کا علم سرفراز کیا۔ اس ضمن میں شاعری اپنی ہمہ جہات پہلوؤں سے فلاح اور ذہنی و فکری بالیدگی کے سوتوں سے فیض یاب کراتی دکھائی دیتی ہے۔ خصوصاً ہند میں شاعری کی صنف ''کافی''اس ضمن میں سرخیل ور ہنما ثابت ہوئی۔ شاعری کی اِس صنف کا دائرہ اپنے وجود میں تاریخی اور شعوری ہر دو صورتوں میں امن و آشتی کا حقیقی ترجمان ہونے کا دعویٰ کر سکنے میں حق بجانب ہے۔ کافی کے آنگن میں جھانکیں تو کافی کا چلن اپنی ذات میں صدیوں سے کہیں زیادہ اور دور تک کا دکھائی دیتا ہے۔ سرائیکی زبان میں اس حوالے سے ڈاکٹر سجاد حیدر پرویز نے ڈاکٹر ناصر کے حوالے سے ایک مستند رائے کو آگے بڑھایا ہے:

> ہمارے نزدیک سرائیکی زبان میں سب سے پہلے ساتویں صدی ہجری میں حضرت شاہ شمس سبزواری نے جو گنعان تحریر کیے وہ سرائیکی میں کافی کی پہلی باقاعدہ مضبوط شہادت ہے۔ بندش، مزاج اور سانچے کے اعتبار سے یہ صنف کافی کا رنگ رکھتی ہے[2]۔

کافی کے ارتقا اور تاریخی سفر کے ضمن میں بہت سے دعوے وقت کی عدالت میں دائر ہوئے، جنھیں حفیظ خان اور اِن جیسے کئی دیگر نقادوں اور تحقیق کاروں نے شرفِ ردّ و قبول دان کیا۔ کافی کے موضوعاتی متن اور مقصدیت کو ملحوظ رکھیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ صنف کافی کو انسانیت کی رفاح اور فلاح کے بنیادی مقاصد کے حصول کے لیے لکھا پڑھا اور سمجھا جانے لگا۔ کافی کی موجودہ صورت اور ہیتی حوالے کی آبیاری کا بنیادی حوالہ شاہ حسین کی شخصیت کی صورت میں دستیاب ہوتا ہے۔

یہ الگ حقیقت ہے کہ داعیانِ امن و آشت نے جب بھی عَلمِ عشق و حق اٹھایا تو کبھی اُن کی گردن تنِ حیات سے جدا کر دی گئی تو کبھی ان کے سر نوکِ سنان کی زینت بنے تو کبھی ان کی کھالیں کھنچوا دی گئیں، مگر امن کے پرچارکوں کی صدائے نحیف کے دیئے تاریخ نے یکسر بجھنے نہیں دیئے۔ کرۂ ارض پر انسان کی قرنوں پرانی افزائش و رہائش کو جب امن و آشتی کی زیبائش سے روشناس کرنے کی سعی کی گئی تو شاہ حسین کے پیروکاروں نے ان کی فکری ترویج کی مشعل کو بجھنے نہیں دیا۔ حضرت سچل سرمست نے اپنی سوچ کو لسان کے منظوم پیرایہ کافی کی صورت میں کچھ ایسے پیش کیا:

میں رانجھنُ دی رانجھنُ میرا

---

1 حفیظ خان، **رفعت عباس کی سرائیکی شاعری**، (ملتان: ملتان انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اینڈ ریسرچ، ۲۰۰۶ء)، ص۹۔

2 پرویز، سجاد حیدر، ڈاکٹر، **مختصر تاریخ زبان و ادب سرائیکی**، (اسلام آباد: ادارہ فروغ قومی زبان پاکستان، ۲۰۱۲ء)، ص۱۵۶۔

کھیڑا کون بلائیں
لوکاں لکھیے چاک منجھیں دا
رانجھنْ سردا سائیں
ساہ سچل دے سونْیں کیتے
منگدے ہوں دعائیں [3]

ہمیشہ اختلاف ہی جنگ و جدال کا سبب بنتا ہے، جب کہ ایثار اور دعائیں امن و آشتی کو جنم دیتی ہیں۔ کوئی بھی چاہنے والا اپنے محبوب کو تکلیف میں مبتلا دیکھ کر تلملانے سے رَہ نہیں سکتا۔ وہ ہمیشہ اپنے حصے کی خوشیاں بھی مطلوب و مقصود پر نچھاور کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ لہذا امن و آشتی کا معاشرتی وجود اچھے تعلقات کے بغیر معرضِ حقیقت میں نمو نہیں پا سکتا۔ فقیری امن پسندی اور بے ضرری کا دوسرا نام ہے، مگر جس شخص کے نام کا حصہ ہی فقیر ہو تو اس کے مزاج اور شخصیت کو سمجھنے میں کوئی دقیقت پیش نہیں آنی چاہیے۔ یہ شخصیت سندھ کے نامور شاعر روحل فقیر کی ہے جو کلہوڑہ دور اقتدار میں ایک نمایاں عہدے پر متمکن ہونے کے باوجود بھی تحمل، اتحاد، یگانگت اور امن و آشتی کے پروردہ رہے۔ بنیادی طور پر ان کے مرشد شاہ عنایت اللہ کی چھاپ ان کے کردار و افکار پر نمایاں نظر آتی ہے۔

عین عنائیت کیتی ساقی ڈتس پریم پیالہ
عین عنائیت کیتی ساقی ڈتس پریم پیالہ
لوں لوں دے وچ تھئی خوشحالی مٹیا ڈکھ کشالا [4]

سرائیکی کلاسیکل شاعری کا بنیادی عنصر ہی عجز و انکساری اور انسان دوستی ہے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر نے شاعری ہی کا نہیں بلکہ فقر، سلوک اور صوف کا ایک نابغہ روزگار نمونہ دیکھا، جس کی کافی انسان دوستی اور انسانیت پرستی کا بے بدل نمونہ قرار پائی، جن کے قرب سے لاکھوں انسان نے فیض و کمال حاصل کیا۔ ان کا نام نامی حضرت خواجہ غلام فریدؒ ہے، جن کی شخصیت اور کردار کی کشش نے ہر طبقہءِ فکر کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ ان کا گرویدہ بھی بنالیا۔

سمنجھ سنجانْیں غیر نہ جانْیں
سبھ صورت ہے عین ظہور

---

3 رسول پوری، محمد اسلم (مرتب)، **منتخب کلام سچل سرمست**، (ملتان: بزم ثقافت، ۱۹۷۷ء)، ص ۹۴۔

4 اعوان، گل عباس، ڈاکٹر، سرائیکی شاعری اچ انسان دوستی، (ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، ۲۰۱۰ء)، ص ۹۴۔

رکھ تصدیق نہ تھی آوارہ کعبہ ، قبلہ ، دیر، دوارہ
مسجد ، مندر ، ہکڑو نور [5]

قبلہ ، کعبہ ، مسجد، مندر دیر گنش سب تجھ میں ہے
دنیا تم ہو عقبیٰ تم ہو مالک کون و مکان کے ہو
اپنیُ عظمت یاد کرو کیوں تھئے یوسف زندان کے ہو[6]

سرائیکی شاعری کے چوتھے دور کے شعرا کے مَان اور مقتدر شعرا میں ایک نام حافظ نصیر الدین خرم بہاول پوری کا بھی ہے، جنھیں سرائیکی 'کافی' میں نئے رجحانات کا نقیب کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔ خرم نے کافی کو تصوف کی دنیا سے باہر نکالا اور غم جاناں و غم زمانہ سے روشناس کیا۔ اگرچہ مضامینِ کافی میں تبدل اور تنوع دَر آیا، تاہم کافی کا بنیادی امتیاز امن و آشتی جوں کا توں رہا۔

توہیں آپ ریت کو ریت وچ توں ہیں آپ ہار تے جیت وچ
توہیں آپ ریت کو ریت وچ نہ بدل تے دل تے ایہو ٹکا
مٹھو ہوش کر مٹھو ہوش کر اینویں اپنیُ آپ نہ رت سکا
توں ہیں خرم امن امان دا توں نچوڑ ہیں سارے قرآن دا
توں ہیں آپ اَپنیُ شان دا کوئی تیئں سنواں نہیں تیئں سوا [7]

خرم کی شاعری انسان دوستی اور امن پسندی کی چاشنی اور مروت کی خوشبو سے مسحور کرتی محسوس ہوتی ہے۔

کوئی اتنا تھورا لاوے ہا جند سولاں تو چھڑواوے ہا
ساڈے سجنّاں کو سڈآوے ہا ہتھ ہدھ کے نال نیازاں دے[8]

اَمن پرستی ہو یا پھر امن پسندی اس محل بے مثال کی بنیاد ہمیشہ عدم تشدد، انسان دوستی اور تحمل و ایثار پر اُستوار ہوتی ہے۔ فلسفہ عدم تشدد اور احترام آدمیت کے سوتے جس معاشرے میں بھی پھوٹے وہاں خوش خُلقی اور اعلیٰ اقدار کا حامل معاشرہ معرض وجود میں آیا۔ ماضی کے دریچوں میں ذرا سا جھانکیں تو محسوس ہوتا ہے کہ جہاں جہاں بھی انبیا، صالحین فقرا، صوفیا اور اولیا کا وُرود

---

5 غلام فرید، خواجہ، **دیوان فرید**، (مرتبہ: جاوید چانڈیو)، ۲، ۱: ۵۰، (بہاول پور: سرائیکی ادبی مجلس، ۱۹۹۸ء)، ص ۱۱۰۔

6 ایضاً، ۱۵، ۱۳: ۱۷۳، ص ۱۱۰۔

7 حفیظ خان (مرتب) **خرم بہاول پوری**، (بہاولپور: سرائیکی ادبی مجلس، ۲۰۰۷ء)، ص ۱۷۳۔۱۷۴۔

8 ایضاً، ص ۱۴۵۔

ہو اوہاں وہاں امن و آشتی کی جڑیں مضبوط ہوئیں، پیار و ایثار کی عدیم المثال داستانوں نے جنم لیا۔ بر صغیر خصوصاً وادی سندھ کے بین و مابین ماضی سے تاحال جن مفکرین شعرا اور دانشوروں نے اپنے افکار کے زریں جواہرات کو عوام الناس میں تقسیم کیا اُن کی فہرست خاصی طویل ہے۔ ان میں ایک نام حضرت خیر شاہؒ کا ہے جس کی شاعری کا موضوع خُلق پسندی اور خَلق پرستی ہے۔ وہ اپنے کلام کو میل ملاپ کی ترویج کے لیے ذریعہ تبلیغ بناتے نظر آتے ہیں۔

مٹھی بات ماہی من بھاونْ دی
کر گالھ کئی گل لاونْ دی
جیکوں منہ ڈکھا چُھپانویں توں اونکوں شہر بازار رُلانویں توں
اوں تو ملک جہان ہنسانویں توں کر شفقت منہ ملاونْ دی[9]

اساں آپ کوں آپ منیندے ہائیں
ایہو کوڑ خودی سروں چائیندے ہائیں
اللہ رسول آپ تھیوسے سخن رسالت آپ پکوسے
دنیا مذہب شر ودھوسے ہنْ صلح آپ کریندے ہائیں[10]

امن و آشتی اور پیار کا پرچار ہر دور میں صوفیا و شعرا کا خاصہ رہا ہے۔ وہ بات جو بابا فرید سے خواجہ فرید تک پہنچی اُسی امانت اور روایت کو حال میں بھی تواتر کے ساتھ امانت سمجھ کر نسل نو تک پہنچانے کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ اس قبیل میں ایک نام نامی، جانباز جتوئی کا بھی ہے۔ عوام ان کے کلام کے ہمہ وقت منتظر اور اظہار کے شائق رہتے تھے۔ ان کے کلام میں جذباتیت، ہمدردی اور امن کا پیغام بدرجہ اتم موجود رہتا ہے۔ ان کی کافی گوئی کے عوام ہی شیدا نہیں تھے، بلکہ خواص بھی حافظانِ کلامِ جانباز پائے گئے۔

ناز سجنْ دے دل کوں بھا گئے
عشق اویڑا لوں لوں دھا گئے
باجھوں ڈھولے کجھ نہ بھانوم گھرور ویڑھا کھانونْ آوم
برہوں بھیڑا من من تانوم پیش پئے ہنْ ڈکھڑے ناں گئے

---

9 تونسوی، طاہر، ڈاکٹر (مرتب)، **خیر شاہ دا کلام**، (ملتان: گورایہ پبلشرز، ۱۹۹۵ء)، ص ۱۴۹۔

10 ایضاً، ص ۱۶۴۔

ہر دم ہووس فضل الٰہی عیش امن دی مانڑے شاہی
شالا جیوے دلبر ماہی گالھا کیتے مجنوں وانگئے[11]

خرم بہاول پوری کے تتبع میں قیس فریدی کی شاعری کا اہم اور قابل ذکر کردار ہے۔ قیس فریدی انسانوں میں منافرت پھیلانے کی بجائے ایک خاص ڈھنگ کی منت سماجت کی صعوبت اُٹھا کر پیار محبت کے چند بول بولنے کی خاطر محبوب سے قربت اور وقت گزاری کے حیلے بہانے تلاش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

جانی رات رَہ پئے من گھن سوال ءِ
نت کون آندے قسمت دی گال ءِ
ہر کوئی شالا سیجھاں سہاوے[12]

دورِ موجود میں جب دنیا جدیدیت کو اوڑھنا بچھونا بنائے جارہی ہے۔ تعظیم و تفاخر کے معیارات سراسر بدل چکے ہیں۔ امارت کو قبلہ اور عجبیت کو خِلعت فاخرہ کے لائق قرار دیا جارہا ہے۔ تباہ کن ہتھیار ایجاد کرنے والے کو عالمی ایوارڈز سے نوازا جارہا ہے۔ تخریب کاری کے نت نئے ڈھنگ اختیار کر کے امن پسندوں کو زور وری کے ذریعے مردود کیا جارہا ہے۔ طاغوتی طاقتیں شوگر کوٹڈ لالی پاپ کے ذریعے یا فریبی اٹکل پچوں اور این جی اوز کے توسط سے غیرت مند قوموں کو آزاد خیالی کے دلدل میں دھکیلا جارہا ہے۔ ایسے میں حساس طبع افراد انتہائی تواتر کے ساتھ قوم کو دور اندیشی، بلند ہمتی، الوالعزمی، ایثار اور امن پسندی کی ضرورت سے آگاہ کرتے رہیں گے۔ اس قبیل کے ایک نامور شاعر مخدوم عارض بخاری ہیں جن کی کافی گوئی عصر حال کی ایک ایسی توانا مثال ہے جو اپنی نسبت کو بابا فرید کی پریت، شاہ رکنِ عالم اور شاہ شمس کی شاباشی اور اوچ شریف کے جلال الدین کی پیروی سے جوڑتا ہے اور آخر ش منزل عشق ہی کو اپنا روزمرہ گردانتا اعلان کرتا ہے کہ:

عشق اساڈا پیروے لوکوں ، عشق اساڈا پیر"

مخدوم عارض مل جل کر زندگی گزارنے کو ہی انسانیت کی بھلائی اور امن و آشتی کا منبع قرار دیتے ہیں۔ شعر دیکھیے:

میں اُجڑی کوں نہ رولیں ہا
سئیں ہک واری تاں ہولیں ہا
ہک واری تاں توں آنویں ہا

---

11 جتوئی، جانباز، **ارداساں**، (مظفر گڑھ: ڈسٹرکٹ کونسل مظفر گڑھ، س ن)، ص ۷۶۔

12 فریدی، قیس، **گاگھر** (کلیات)، (خان پور: بزم ادراک خانپور، ۲۰۱۵ء)، ص ۳۷۰۔

میڈے من وچ ڈیرے لانویں ہا
میڈی اجڑی جھوک وسانویں ہا
کئی پیار دی چول تاں چولیں ہا
سئیں ہک واری تاں بولیں ہا [13]

جدید کافی گو شعرا میں پروفیسر شمیم قریشی، ایک معتبر اور توانا آواز ہے۔ نیل کتھا اُن کی حساس سوچوں اور خوش خصال تمناؤں کا محور ہے، جس میں درج کافیاں لوگوں سے التماس کرتی ہیں کہ دور جدید کی سائنسی ایجادات اور بے حسی نے جہاں انسان کو تنہائی کا شکار کر دیا ہے وہاں بہیمانہ اموات، بے حسی، لالچ، اور احترام آدمیت سے عاری معاشرے کی داغ بیل ڈال دی ہے۔ آج کا انسان مہذب روایات اور رشتوں کی پاسداری سے ناآشنا ہوتا جا رہا ہے، جس کی نمایاں وجہ حرص، ہوس، لالچ اور خود غرضی ہے ۔ خود غرضی اور بدامنی نے تیزی سے ہماری فہم و فراست پر پنجے گاڑنے شروع کر دیے ہیں۔ ایسے میں شمیم قریشی کی کافی میں عہد رفتہ کی حسین یادوں اور روایات کی یاد ہی نہیں دلا رہی بلکہ پورے وسیب کو دعوتِ فکر دے کر انھیں روایات کو اپنانے کی دعوت دیتی نظر آتی ہے۔ شعر دیکھیں:

جانی اَپنڑی راند رساؤں ہا
وت آپ کوں آپ وساؤں ہا
وت بھوئیں اَپنڑی دیاں گالھیں
ونڑ گھاٹے تے ساویاں خالیں
سوہنڑے وڑے سنگریاں سالھیں
وت متریں پھیرا پاؤں ہا [14]

سرائیکی شاعری میں کافی کاری نے اپنا سفر ترک نہیں کیا، بلکہ جدید ہیتی تجربوں کے ساتھ بڑی شد و مد سے اپنے ہونے کا احساس دلایا ہے۔ بے شک اس میں بنیادی کردار اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کا ہے جن کی علمی حیثیت کا ایک زمانہ معترف ہے۔ 'کافی' کی روایت کو کماحقہ نبھانے والے رفعت عباس اپنی ریت روایت، ثقافت اور تاریخ کو از سرے نو بذریعہ کافی دور جدید کی بے خبر نسل نو تک پہنچانے کا عزم کیے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنی کافیوں کی کتاب ''عشق اللہ سائیں جاگیا'' اللہ تعالیٰ سے ایک طویل مکالمہ

---

13 بخاری، مخدوم عارض، عشق اساڈا پیر، (بہاولپور: فرید فورم، ۲۰۱۴ء)، ص ۵۴۔

14 قریشی، شمیم عارف، **نیل کتھا**، (ملتان: جھوک پبلشرز، ۲۰۰۸ء)، ص ۸۳۔

کرتے دکھائی دیتے ہیں، جس کا لب لباب پر امن معاشرے کا قیام اور اتفاق و ایثار کی از سر نو داغ بیل ڈالنا ہے۔

'عشق اللہ سئیں جاگیا' منبعِ مہر و محبت، اتفاق اور ایثار کا آمیزہ ہے، جس میں صرف انسان کی انسان سے محبت ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کو اخلاق اور پیار سے مل جل کر رہنے، گزارنے کا درس دیا گیا ہے۔ انسان تو انسان شاعر اساطیر میں موجود اُس طوطے کی بھی خیر امان مانگتا نظر آتا ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اِس میں دیو کی جان ہوتی ہے اور طوطے کو مارنے سے دیو مر جاتا ہے۔ اشعار دیکھیں:

کہیں طوطے کوں نی مارنْا جی وچ دیہہ والی بھاونویں جان ہووے
اے چڑیاں نئیں ڈراونْیاں جی میں آپ بھریساں جوار والا
تہاڈا جتلا وی نقصاون ہوے اَج پکڑی مچھی چھوڑ ڈیووں
میں آپ پکیساں روٹی جی من بھاندہ جو پکوان ہو وے
اساں آپ نگاہ وچ رکھنْا جی اَن پانْی انہاں نمانْیاں دا
بھانویں رازق خود رحمان ہووے [15]

سلمان سہو اکیسویں صدی کی شروعات کے کافی گو شاعر ہیں۔ پرانی چیزوں کو نئے ڈھنگ سے دیکھنے میں خاصے کی چیز سجھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ اور حضرت عشق جیسی ہستیوں کو بھی منفرد انداز میں پرکھنے اور جانچنے کا تجربہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن کریم میں فساد کے علاج کے لیے جہاد کا حکم دیتا ہے، جب کہ عشق تو ہے ہی بے ضرر اور امن کا داعی۔ عاشق تو خود تکلیف دینے والے سے بھی عشق کرتا ہے اور ہر کار اضطراب پر قربان قربان جاتا ہے۔

مسیں لدھڑی اے ایہا جھوک ساکوں
میاں عشق کنوں نہ روک ساکوں
اساں رہوں پردیس یا دیس رہوں
پاتی پیار تیڈے دا ویس رہوں
پورا کرنْ ڈے ایہا شوق ساکوں [16]

سلمان سہو کے نزدیک عشق ملاں اور میاں کے فتووں سے استثنیٰ کا متقاضی ہے۔ ملا اور میاں جی کا علم نامکمل اور ناواقف

---

15 رفعت عباس، **عشق اللہ سئیں جاگیا**، (ملتان: کتاب نگر ملتان، ۲۰۰۵ء)، ص ۹۴۔

16 سہو، سلمان، **کن توں پہلے**، (لاہور: شرکت پریس، ۲۰۰۷ء)، ص ۱۸۔

ہے۔ وہ عشق کے اسرار و رموز سے انجان ہے۔ یہ عشق محبت پیار امن سب آفاقی تحائف ہیں اور تحائف تو صرف خاص کو ہی دان کیے جاتے ہیں۔ اس کے کئی روپ ہو سکتے ہیں, یہ کسی کو بھی عطا و ادا کیا جا سکتا ہے۔

عشق ہے سوہنی سسی سیتا
عشق قرآن انجیل تے گیتا
عشق مندر مسیت میاں جی
عشق اساڈا میت میاں جی [17]

خلاصہ بحث

سرائیکی کافی کے صدیوں پر محیط اس سفر میں کلاسیکل عہد سے لے کر عہدِ حاضر کے معروف کافی گو شاعر رفعت عباس کی شاعری تک سرائیکی کافی کا بڑا موضوع امن و محبت کا پیغام ہی نظر آتا ہے۔ عہدِ حاضر کے معروف شاعر رفعت عباس کی سعی کاملہ کی وجہ سے خواجہ فریدؒ، حافظ نصیر الدین خرم بہاول پوری اور محمد بخش نوروز کے بعد سرائیکی کافی کا ایک نیا دور جاری و ساری ہے۔ کافی کے اس سفر میں رفعت عباس کے ساتھ ساتھ اشو لال فقیر، عبداللطیف بھٹائی، شاہد عالم شاہد لاشاری، غیور بخاری، سلمان سہو، سجاد بری، ارم اجمل ملک، اشرف خان اور حفیظ طاہر گھوٹیہ جیسے کئی معتبر قلم کار اس کارِ خیر کی ترویج کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں۔ مذکورہ بحث سے نتیجہ سامنے آتا ہے کہ عہد حاضر کے جدید شاعروں نے بھی کافی کی شمع کو بجھنے نہیں دیا، کیونکہ شاعری میں کافی کی صنف صوفیت، امن و آشتی، عشق و جنون اور حال و قال کے احوال کے لیے انتہائی خوبصورت اور موزوں ماحول مہیا کرتی ہے۔ یہ وہ خوبی ہے جو آج بھی کافی کو زندہ کیے ہوئے ہے اور کافی کو اپنے مقام معراج تک لے جانے کی تگ و دو میں مصروف کار ہے۔

○○○○○

17 ایضاً، ص ۱۹۔